بدر منیر:

شاہانہ متانت، وقار، حسن و خوبی، ناز و ادا، شان و شوکت اور عیش و محبت کا یہ پیکر قصے کی ہیروئن ہے۔ اس کی نشست و برخاست، گفتگو، طور اطوار، چال ڈھال اور حسن و ذوق سے اس کا عالی جاہ شہزادی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ میر حسن نے اس کردار کی سیرت کشی میں اتنی محنت کی ہے کہ بے اختیار واہ واہ کرنے کو جی چاہتا ہے۔ دیکھیں بدر منیر کس شکوہ سے باغ میں جلوہ افروز ہے:

برس پندرہ ایک کا سن و سال — نہایت حسین اور صاحب جمال
دھرے کہنی تکیے پہ اک ناز سے — سرِ نہر بیٹھی تھی انداز سے
خواصیں کھڑی ایدھر اودھر تمام — ستاروں کا جوں ماہ پر ازدحام
وہ بیٹھی تھی سج دھج بنائے ہوئے — دل اس چاندنی پر لگائے ہوئے

رشک و حسد کا یہ انداز دیکھیں شہزادہ اپنی مجبوریوں کا اظہار کرتا ہے پری کی قید سے رہائی نہیں ملتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

مرو تم پری وہ تم پر مرے — بس اب تم ذرا مجھ سے بیٹھو پرے
میں اس طرح کا دل لگاتی نہیں — یہ شرکت تو بندی کو بھاتی نہیں

نجم النساء:

مثنوی سحر البیان کا سب سے زیادہ روشن، رنگین، شوخ اور متحرک کردار نجم النساء کا ہے۔ بقول عابد علی عابد نجم النساء کی تخلیق میں میر حسن نے اپنی ساری صنعت گری صرف کر دی ہے۔ احتشام حسین کی رائے میں سحر البیان میں سب سے اہم کردار نجم النساء کا ہے۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ سحر البیان ہی میں نہیں تمام مثنویوں میں اپنی مثال آپ ہے۔ نجم النساء سحر البیان کے کینوس پر پہلی مرتبہ اس وقت نظر آتی ہے جب شہزادہ بے نظیر، بدر منیر کے باغ میں آچکا ہے اور بدر منیر سہیلیوں کی جھرمٹ میں بیٹھی ہوئی ہے سب ہی شہزادے کے حسن سے متاثر ہوتے ہیں۔ بدر منیر شرما جاتی ہے اور ملاقات کی ہمت نہیں رکھتی۔ اس موقعہ پر کہانی میں نجم النساء حرکت پیدا کرتی ہے۔ اور، دونوں کو ملانے کی ترکیب کرتی ہے شہزادی کا اشتیاق بڑھاتی ہے اور حسن و جوانی سے لطف اندوز ہونے کی دعوت دیتی ہے۔

کہ اتنے میں آئی وہ دختِ وزیر — لگی ہنس کے کہنے کہ "بدر منیر"
مجھے چو چلے تو خوش آتے نہیں — ترے ناز بے جا یہ بھاتے نہیں

کیا ہے اگر تو نے گھائل اسے　　تو مت چھوڑ اب نیم بسمل اسے

اس مقام پر نجم النساء کی ذہانت قابلِ داد ہے وہ جانتی ہے کہ بدر منیر پر حجاب غالب ہے اسے توڑنے کے لئے وہ دونوں کے درمیان شراب لا کر رکھ دیتی ہے پہلے شہزادہ پیتا ہے پھر بدر منیر پیتی ہے اس طرح دونوں کھل کر راز و نیاز کی باتیں کرتے ہیں۔ جب کہانی میں کوئی پیچ پڑتا ہے تو نجم النساء فوراً سلجھا دیتی ہے۔ نجم النساء کے کردار میں وفاداری کا جذبہ سب سے بڑا ہوا ہے وہ جب اپنی سہیلی کو سمجھا چکتی ہے کہ اب شہزادہ نہیں آئے گا اس لئے اس کا خیال چھوڑ دے مگر وہ خیال ترک نہیں کرتی لہذا اپنی سہیلی پر جان وار کرنے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ اور جوگن کا روپ اختیار کر کے بے نظیر کی تلاش میں نکلتی ہے۔

لگی کہنے وہ "یوں نہ آنسو بہا"　　ترے واسطے میں نے اب دکھ سہا

بس اب سر بصحرا نکلتی ہوں میں　　اسے ڈھونڈ لانے کو چلتی ہوں میں

سحر البیان کے تمام کرداروں میں نجم النساء کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ یہ کردار با عمل ہے۔ اسی کے باعث سحر البیان کا پلاٹ آگے چلتا ہے۔ نجم النساء اپنے مقصد میں آخر کار کامیاب ہو کر واپس آتی ہے۔ بے نظیر اور فیروز شاہ اس کے ہمراہ ہیں جب شہزادی سے ملتی ہے تو اس موقع پر اس کی گفتگو بے حد شوخ ہے وہ کہتی ہے کہ تیرا قیدی چھڑاتے چھڑاتے ایک اور قیدی باندھ کے لے آئی ہوں پھر سب کی ملاقات ہوتی ہے۔

ترا قیدی جا کر چھڑا لائی ہوں　　اور اک اور بندھوا اُڑا لائی ہوں

مگر ایک یہ آ پڑی بے بسی　　کہ میں تیری خاطر بلا میں پھنسی

یہ نجم النساء کی آخری تصویر ہے جو سحر البیان میں نظر آتی ہے یہاں وہ جوگن نہیں رہتی ایک دوشیزہ بن کر سامنے آتی ہے یہاں سے اس کی نسوانیت نکھر آئی ہے۔ وہ اپنے عاشق کو جلانا خوب جانتی ہے۔ اس نے سرخ جوڑا پہن رکھا ہے اس کے تمام لباس اور جسم میں نسوانی کشش ہے۔

وہ جوگن ہوئی تھی جو نجم النساء　　جمی گرد وہ اپنے تن کی چھڑا

نہا دھو کے نکلی وہ اس شان سے　　کہ الماس نکلے ہے جوں کان سے

نجم النساء کا کردار مجموعی طور پر ایک جاندار کردار ہے۔

سحر البیان زبان و بیان اور اسلوب:

سحر البیان کے اسلوب کی مختلف خصوصیات ہیں جن کا احاطہ کرنا مشکل ہے تاہم اس کی چند خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

ہر داستان کی ابتداء خمریہ اشعار سے:

میر حسن نے ہر داستان کا آغاز خمریہ اشعار سے کیا ہے مثلاً "داستان تولد ہونے شہزادہ بے نظیر کی" کا آغاز یوں ہوتا ہے:

خوشی سے پلا مجھ کو ساقی شراب　　کوئی دن میں بجتا ہے چنگ و رباب

"داستان تیاری میں باغ" کی ابتدا دیکھئے:

مئے ارغوانی پلا، ساقیا　　کہ تعمیر کو باغ کی دل چلا

غرضیکہ ہر داستان کا آغاز میر حسن نے خمریہ انداز میں کیا ہے۔

زبان:

شاعری میں زبان کی اہمیت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ میر حسن اس نکتے سے آگاہ تھے۔ سحر البیان کی نمایاں خصوصیت اسکی زبان ہے۔ انہوں نے سبک، شریں اور نرم الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ میر حسن کی اس سادگی اور روزمرہ کو دیکھ کر محمد حسین آزاد حیرت سے پوچھتے ہیں:

"کیا اسے سو برس آگے والوں کی باتیں سنائی دیتی تھیں کہ جو کچھ کہا صاف وہی محاورہ اور وہی گفتگو جو اب ہم تم بول رہے ہیں۔"

انہوں نے ہر دو چار اشعار کے بعد ایک لفظ ایسا ضرور رکھا ہے۔ کہ ان سب شعروں کا مضمون اس ایک ہی لفظ میں ادا ہو گیا ہے۔ گویا اشتیاق بڑھانے کے لئے پہلے تصویر کا ایک حصہ دکھایا پھر کل تصویر سامنے رکھ دی۔

میر حسن کے یہاں اگرچہ عام طور سے سادہ اور صاف ستھرے الفاظ نظر آتے ہیں جو دور جدید کی لسانی خصوصیات کی نمائندگی کرتے ہیں اس کے یہاں ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جو دور قدیم میں دکن اور شمالی ہند سے بولے جاتے تھے۔ مثلا میر حسن کئی جگہ نام کے بجائے "ناوں" کا لفظ استعمال کیا ہے:

دیے شاہ نے شاہزادے کے ناوں　　مشائخ کو اور پیرزادوں کو گاوں

جہاں قصے کی ضرورت ہوتی ہے وہاں میر حسن زبان کو موقع کی مناسبت سے تبدیل کر لیتے ہیں۔ ایک مثال دیکھیے:

کیا پنڈتوں نے جو اپنا بچار　　تو پھر انگلیوں پر کیا کچھ شمار

جنم پتّر اشاہ کا دیکھ کر　　تُلا اور بِرچھک پہ کر کر نظر

کہا رام جی کی ہے تم پر دیا　　چندرماں سا بالک ترے ہوئے گا

ضرب المثال:

سحر البیان کے بعض اشعار اس قدر رواں ہیں کہ وہ ضرب المثال بن گئے ہیں یہ مثنوی کی سادگی و سلاست کا ثبوت ہے مثلاً:

سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں　　گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

کسی پاس یہ دولت رہتی نہیں　　سدا ناؤ کاغذ کی بہتی نہیں

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن　　جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

تشبیہات:

میر حسن کے ہاں حسین تشبیہات کے خزانے موجود ہیں ان کی تشبیہات کو پڑھ کر دل کلی کی طرح شگفتہ ہو جاتا ہے۔

وہ گورا بدن اور بال اس کے تر　　کہے تو کہ ساون کی شام و سحر

نہانے میں یوں تھی بدن کی چمک　　برسنے میں بجلی کی جیسے چمک

نہا دھو کے نکلا وہ گُل اس طرح　　کہ بدلی سے نکلے ہے مہ جس طرح

صنعتوں کا استعمال:

میر حسن کے ہاں تشبیہات کے سلسلے میں قوس قزح کے جو رنگ ملتے ہیں وہ ان کی رنگینی فکر اور حسنِ نظر کا ثبوت ہیں مگر ہم انہیں کلیتاً ان کے معاشرہ اور ماحول کی رنگینیوں سے الگ کر کے نہیں دیکھ سکتے۔ اس دور کا مذاقِ حسن بھی ان پر اپنے جمالیاتی تصورات کی شعائیں ڈال رہا تھا۔ میر حسن کے یہاں صنعتوں کا استعمال بھی ہے خاص طور پر صنعت ایہام کی کافی مثالیں ملتی ہیں:

ایہام:

کہا چاہ والے ہیں یوسف عزیز　　اری باولی چاہ میں کر تمیز

اس شعر میں چاہ اور باولی کا ایہام ہے، اور ساتھ ہی چاہ (کنواں) اور چاہ (خواہش یا پسند) میں تجنیس تام بھی ہے۔

تجنیس: درج ذیل اشعار میں بنی اور بنی اور قامت و قیامت کا استعمال بھی تجنیس کی صنعت ہے۔

نہا دھو کے اس روز ایسی بنی　　کہ دو دن کی جیسے ہو سچ مچ بنی

قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام　　قیامت کرے جس کو جھک کر سلام

مبالغہ:

مبالغہ اگر ایک حد کے اندر رہو اور سلیقے سے برتا گیا ہو تو شاعری کا حسن ہے۔ میر حسن کے یہاں مبالغے کی بھی حسین مثالیں نظر آتی ہیں۔ چند مسلسل اشعار سے اس کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا:

رعیّت کی کثرت، ہجومِ سپاہ		گزرتی تھی رک رک کے ہر جانگاہ
ہوئے جمع کوٹھوں پہ جو مرد و زن		ہر اک سطح تھا جوں زمینِ چمن
یہ خالق کی سن قدرتِ کاملہ		تماشے کو نکلی زنِ حاملہ
لگا لنج سے تا ضعیف و نحیف		تماشے کو نکلے وضیع و شریف
وحوشوں طیوروں تلک بے خلل		پڑے آشیانوں سے اپنے نکل
نہ نکلا جو اک مرغِ قبلہ نما		سو وہ آشیانے میں تڑپا کیا

ہ وہ فن ہے جسے ان کے پوتے میر انیس نے کمال تک پہنچایا۔

آخری شعر حسنِ تعلیل کی بھی مثال ہے۔

زبان کی صفائی:

سحر البیان کی زبان میں صفائی شستگی اور روانی ہے یہ زبان میر و سودا کی زبان سے بہتر نظر آتی ہے۔ میر حسن نے محاورے روزمرہ کا استعمال بڑی خوبی سے کیا ہے۔ صنعتیں موجود ہیں لیکن وہ کلام کا ایک جزو بن کر سامنے آتی ہیں زبان کی صفائی اور شستگی کے لئے چند اشعار:

وہ بیٹھی عجب ایک انداز سے		بدن کو چرائے ہوئے ناز سے
پسینہ پسینہ ہوا سب بدن		کہ جوں شبنم آلود ہو یاسمن

بقول کلیم الدین احمد، "اہم چیز سحر البیان میں طرز ادا ہے۔ عبارت صاف، پاکیزہ اور با محاورہ ہے۔ میر حسن نے روزمرہ کا نچوڑ اس مثنوی میں رکھ دیا ہے۔ کہیں اس کے مطالعے سے اس زمانے کے عوام و خواص کی معیاری زبان اور محاورات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

مجموعی جائزہ:

سحر البیان میر حسن کی زندگی کے آخری دور کا کارنامہ ہے۔ انہوں نے اس کے لکھنے میں اپنی عمر کا ایک طویل حصہ صرف کیا۔ چنانچہ وہ خود اعتراف کرتے ہیں:

ہر اک بات پر دل کو میں خوں کیا　　تب اس طرح رنگین مضموں کیا

اس مثنوی کی سادگی پرکاری، فن کارانہ نزاکت، منظر کشی، واقعہ نگاری، کردار نگاری اور تفصیل نگاری کو دیکھ کر عجیب کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ خاص طور پر میر حسن کے انداز بیان نے اس نظم کو حیات جاوید سے ہمکنار کیا۔ ان کی شاعرانہ انداز بیان، طرز ادا اور زبان پر قدرت نے مثنوی کو کہیں غیر دلچسپ نہیں ہونے دیا۔ بقول خلیل الرحمن عظمی:

"واقعہ یہ ہے کہ اس تصنیف میں میر حسن نے اپنا خونِ جگر صرف کیا ہے اپنی زندگی کے تجربات کا نچوڑ پیش کر دیا ہے۔ اپنی ذہانت و فطانت فنی آگہی و لسانی شعور کا ثبوت اس مثنوی کے ہر مصرعے سے فراہم ہے یہ کہانی نہیں تہذیبی دستاویز ہے۔ یہ شعر نہیں صحیفہ حیات ہے۔"

میر شیر علی افسوس مثنوی کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ:

"مثنوی سحر البیان اسم با مسمّیٰ ہے کیونکہ اس کا ہر شعر اہل ذوق کے دلوں کو لبھانے کو موہنی منتر ہے اور ہر داستان اس کی سحر سامری کا ایک دفتر۔ کیونکہ فصاحت و بلاغت کا اس میں ایک دریا بہا دیا ہے۔"

میر حسن خود کہتے ہیں:

رہے گا جہاں میں مرا اس سے نام　　کہ ہے یادگارِ جہاں یہ کلام